مقالات

جواہر حکمت

از افادات علامہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ

[علامہ حافظ ابن عبد البر کا نام کسی صاحب علم کے لئے تعارف کا محتاج نہیں، اور نہ آپ کا مقام علم و اجتہاد کسی پر مخفی ہے۔ آپ کا شمار ائمہ سلف کی صفِ اول میں ہے۔ فقیہ اور مجتہد بھی ہیں اور حافظِ حدیث بھی۔ علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے اربابِ نظر ان کے خوشہ چینوں میں ہیں۔ وسعت نظر، عالمانہ تبحر اور تفقہ فی الدین کے مسلّم امام ہیں۔ اندلس کی خاک سے ایسا خادم شریعت شاید ہی کوئی اور اٹھا ہو۔ قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۵ ربیع الآخر ۳۶۸ھ یوم پیدائش ہے۔ اپنے وطن ہی کے مشہور اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ علم کے لئے اندلس سے باہر کبھی نہیں گئے لیکن احفظ اهل المغرب تسلیم کر گئے ہیں۔ بعض وجوہ کی بنا پر جلاوطن بھی کئے گئے۔ کچھ دنوں مغربی حصوں میں رہے، پھر شرقی اندلس میں چلے آئے۔ خلیفہ مظفر کے زمانہ میں اشبونہ کے قاضی رہے۔ ربیع الآخر ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔ متعدد تصنیفیں چھوڑی ہیں جن میں سے ایک مشہور تالیف "جامع بیان العلم" ہے۔ اسی سے ہم بعض مفید حصوں کا اقتباس درج کرتے ہیں۔]

تقلید اور اتباع کا فرق ابو عبد اللہ بن خویز منداد البصری المالکی فرماتے ہیں:-

"شرع میں تقلید کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ایسے قول کی پیروی کی جائے جس کی دلیل صحت پر مقلد کو اطلاع نہ ہو۔ یہ تقلید شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے۔ اور اتباع ایسے قول کی پیروی کو کہتے ہیں جو

دلیل و حجت سے ثابت ہو۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :۔

"اگر تم کسی شخص کے قول کی اقتدار دلائل کی قوت کے بجائے محض حسنِ ظن کی بنا پر کرتے ہو تو تم اس کے مقلد کہے جاؤ گے اور اللہ کے دین میں تقلید ممنوع ہے۔ اور اگر تم کو حجت و برہان کی طاقت نے کسی قول کی پیروی پر مجبور کر دیا ہے تو تم اس کے متبع کہلاؤ گے۔ اتباع، شریعتِ الٰہی میں جائز ہے بخلاف تقلید کے۔"

مقاصدِ تقلید نقلی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی اتاری ہوئی کتاب میں جگہ جگہ تقلید کی مذمت کی ہے۔ عدی ابن حاتم دربارِ رسالت میں ایک بار حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلعم سورہ براءت کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آپ آیت "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" پر پہنچے تو عدی ابن حاتم نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم نے تو اپنے علماء و مشائخ کو کبھی نہیں پوجا۔ آپ نے فرمایا "کیوں نہیں۔ کیا وہ لوگ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو تمہارے لئے حلال نہیں کر دیا کرتے تھے اور تم بلا حیل و حجت انہیں حلال سمجھ لیتے تھے؟ اسی طرح کیا وہ خدا کی حلال ٹھیرائی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں کر دیتے تھے اور تم بے چون و چرا انہیں حرام مان لیتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا "ہاں یہ تو صحیح ہے" حضور نے فرمایا تلک عبادتھم "یہی ان کی عبادت ہے"۔

اسی اندھی تقلید کی داستان ایک مقام پر قرآن یوں بیان کرتا ہے :۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ٥ الخ	اور اسی طرح تم سے پہلے جس ڈرانے والے (نبی) کو بھی ہم نے کسی قریہ میں بھیجا اس قریہ کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے تو اپنے بڑوں کو ایک رستے پر پایا ہے اور ہم تو انھیں کے نقش قدم کی پیروی کریں گے۔

گویا محض تقلیدِ آباء نے انھیں ہدایت قبول کرنے سے روکا۔ اور آخر کار انھوں نے صاف صاف کہہ دیا

کہ ہم تمہاری تعلیم کو کبھی نہیں مان سکتے اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بت پرستوں سے مذمت اور تحقیر کے انداز میں فرماتے ہیں کہ:۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۔ یہ مورتیاں کیسی ہیں جن کے تم گرویدہ ہو رہے ہو؟

تو جواب میں وہ بس یہی دلیل دیتے ہیں کہ:۔

وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔

اسی طرح بیشمار آیتوں میں اس آبا پرستی اور اکابر قوم کی کورانہ تقلید کی مذمت کی گئی ہے۔ اگرچہ ان آیتوں میں جن مقلدوں کی مذمت بیان کی گئی ہے وہ کفار میں سے ہیں اور امت اسلامیہ کے مقلدین اہل ایمان میں سے ہیں۔ یہ فرق ضرور ہے لیکن اس کے باوجود علماء نے انہی آیتوں سے ابطالِ تقلید پر استدلال کیا ہے۔ ان کے نزدیک دونوں گروہوں میں وجہِ مشابہت کفر و ایمان نہیں ہے، بلکہ یہ مشابہت دونوں تقلیدوں کی نوعیت کے لحاظ سے ہے یعنی جس طرح پہلی قسم کے مقلدین کا گناہ یہ تھا کہ وہ دلیل و حجت کے بغیر اپنے پیشواؤں اور اپنے اسلاف کی تقلید کرتے تھے اسی طرح یہ دوسری قسم کے مقلدین بھی کسی طریقہ کی پیروی کے لئے خدا کی کتاب اور رسول کی ہدایت سے دلیل ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ مجرد ایسے لوگوں کے قول کو سند اور حجت سمجھتے ہیں جن کے ساتھ انہیں حسنِ ظن ہے۔ یہ فرق ضرور ہے کہ ایک شخص تقلید کرتا ہے اور انجام کار کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دوسرا تقلید کرتا ہے اور گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور تیسرا کسی معمولی دنیوی مسئلہ میں تقلید کر کے خطا میں پڑ جاتا ہے۔ اگرچہ ان کا انجام جدا جدا ہوا مگر اس لحاظ سے تو مساوی ہیں کہ ان کے مبتلائے غلطی ہونے کی علت ایک ہے یعنی غیر نبی پر اعتمادِ تام، اور کسی ایسے شخص کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلنا جس کے پاس خدا کی طرف سے براہ راست علم نہیں آتا۔

رسول اللہ صلعم نے ایک بار فرمایا کہ میں اپنے بعد اپنی امت کے لئے اس کے تین اعمال سے اندیشہ ناک

ہوں" پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ اعمال کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا "عالم دین کی لغزش، ظالم بادشاہ کی حکمرانی اور خواہش نفس کی پیروی"۔

ابوالعالیۃ الریاحی سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا "عالم کی لغزشوں سے متبعین کے لئے بڑی خرابی ہے" لوگوں نے کہا اس کی توضیح فرمائیے۔ جواب دیا:۔

"ایک عالم اپنی رائے سے ایک بات کہتا ہے، پھر کسی بڑے عالم بالسنۃ کو پاتا ہے اور اس سے شریعت کا صحیح حکم سن کر اپنے قول سے رجوع کر لیتا ہے۔ مگر جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں انہیں اسکے رجوع کی کیا خبر؟ وہ تو اسی پہلے قول کی پیروی کئے چلے جائیں گے جس سے وہ رجوع کر چکا ہے"۔

حکماء نے عالم کی غلطی کو کشتی کے ٹوٹنے سے تشبیہ دی ہے، کیونکہ جب وہ ڈوبتی ہے تو اپنے ساتھ ایک کثیر جماعت کو بھی غرق کر دیتی ہے۔ یہی حال عالم کا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت معاذؓ بن جبل نے فرمایا کہ لوگو! تم تین چیزوں کے ساتھ کیا کرو گے؟ دنیا، جو تمہارے لئے سراپا ہلاکت ہے۔ عالم کی لغزش۔ اور منافق کا قرآن سے استدلال۔ یہ سوال سن کر سب لوگ خاموش رہے۔ پھر حضرت معاذ نے خود ہی جواب دیا:۔

"پہلے عالم کو لو، عالم اگر ہدایت کی سیدھی شاہراہ پر ہے تو جوشِ عقیدت میں تمہیں نہ چاہئے کہ اپنا دین اس کے سپرد کر دو (یعنی اس کی اندھی تقلید کرنے لگو)۔ اور اگر وہ شاہراہِ ہدایت سے ہٹا ہوا ہے اور فتنوں کا شکار ہو گیا ہے تو اشتعال میں آکر اس سے اپنے تعلقات بالکل منقطع نہ کر لو۔ کیونکہ مومن بھٹک کر تائب ہو جایا کرتا ہے۔۔۔۔ الخ"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:۔

"دیکھو تم میں سے کوئی اپنے دین کی باگ کسی دوسرے انسان کے ہاتھ میں نہ دے کہ اگر وہ ایمان پر رہے تو تم بھی صاحبِ ایمان رہو اور اگر وہ گمراہ ہو گیا تو تم بھی اسی کے ساتھ گمراہ ہو جاؤ۔

شرع میں آنکھیں بند کرکے چلنے کا کام نہیں ہے"۔

محمدؒ بن حارث سے روایت ہے کہ مالک بن انس اور عبدالعزیز ابن ابی سلمہ اور محمد بن ابراہیم بن دینارؒ وغیرہ ابن ہرمز کے پاس جایا کرتے تھے۔ جب مالک بن انس اور عبدالعزیز ان سے کسی مسئلہ کے متعلق استفسار کرتے تو وہ جواب دے دیتے لیکن جب کبھی ابن دینار وغیرہ کوئی سوال کرتے تو وہ خاموش رہتے۔ ایک دن ابن دینار نے ان سے کسی قدر ملول اور کبیدہ خاطر ہو کر پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ابن ہرمزؒ نے جواب دیا کہ تمہیں میری اس روش سے برا نہ ماننا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری ہڈیاں کمزور اور اعضاء مضمحل ہو گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بدن کی طرح میری عقل و فہم بھی ضعیف اور مضمحل نہ ہو گئی ہو اور میں صحیح و حق جواب نہ دے سکوں۔ مالک اور عبدالعزیز عالمانہ نگاہ اور فقیہانہ بصیرت رکھتے ہیں۔ جب مجھ سے کوئی خلافِ حق بات سنیں گے تو اپنے علم و فہم کی کسوٹی پر پرکھ کر رد کر دیں گے لیکن تم لوگوں کا حال بالکل دوسرا ہے۔ میں جو کچھ بھی کہوں گا، خواہ غلط ہو یا صحیح، سب قبول کر لو گے"۔ محمد بن حارث یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم یہی دین کامل اور عقل راجح کی شان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے:۔

"ایک وقت آئے گا جب علماء ختم ہو جائیں گے اور لوگ کم سواد بڑوں سے مسائل شرعیہ میں رجوع کریں گے۔ وہ بغیر کسی علم و آگہی کے فتوے دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

سفیان ابن عیینہؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ربیعہ لیٹے ہوئے منہ ڈھانک کر رو رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا کھلی ہوئی ریاکاری اور خفیہ نفس پرستی کا عام طوفان آیا ہوا ہے اور لوگ علماء کے ہاتھوں میں اس طرح پڑے ہیں جیسے شیر خوار بچے اپنی ماؤں کی آغوش میں کہ جس چیز سے علماء روکتے ہیں یہ اس سے رک جاتے ہیں اور جس چیز کا وہ حکم دیتے ہیں یہ بلا چون و چرا اسی کو کرنے لگتے ہیں۔

ایوبؒ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:۔

"تم اپنے شیخ کی غلطی پر اس وقت تک مطلع نہیں ہو سکتے جب تک دوسرے علماء کی صحبت نہ اختیار کرو"

عبید اللہ ابن معتز فرماتے ہیں کہ:-

"مقلد انسان اور اس جانور میں کوئی فرق نہیں جس کی گردن کی رسی کسی اور کے ہاتھ میں ہو"

یہ تمام نصوص اور اقوال تقلید محض کے بطلان پر شاہد ہیں، لیکن اس شہادت کے سننے اور سمجھنے کے لئے عقل و فہم کی ربانی توفیق درکار ہے۔

ابطالِ تقلید نظری حیثیت سے وجوب یا جواز تقلید کے قائل سے سوال یہ ہے کہ اس نے کس دلیل کی بنا پر اسے جائز یا واجب قرار دیا، اور کیونکر تمام سلف کے خلاف راہ اختیار کی؟ اس لئے کہ سلف صالح میں تو کسی سے بھی تقلید ثابت نہیں۔ اس سوال کے جواب میں اگر وہ یہ کہے کہ میں کتاب و سنت سے واقف نہیں ہوں اور میرا امام ان سے واقف ہے لہٰذا میں اس کی تقلید کر رہا ہوں تو اس سے کہا جائے گا کہ جو مسائلِ شرعیہ تمام ائمہ مجتہدین کے درمیان متفق علیہ ہیں، وہ یقیناً حق ہیں اور ان کے بارے میں تم تقلید کر سکتے ہو، لیکن جن مسائل میں اختلاف ہے، جن میں ایک امام کی رائے کچھ ہے اور دوسرے کی کچھ، ان میں تم کس دلیل کی بنا پر ایک شخص معین کی تقلید کرو گے اور دوسرے کو چھوڑ دو گے درانحالیکہ یہ سب کے سب امام، عالم اور مجتہد ہیں؟ بہت ممکن ہے کہ وہ مجتہد جس کی رائے کو تم ناقابلِ التفات سمجھ رہے ہو تمھارے امام سے زیادہ صحیح مسلک رکھتا ہو۔ اگر وہ یہ جواب دیتا ہے کہ میں اسے حق و صواب پر سمجھ کر تقلید کر رہا ہوں، تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس کے قول کی صحت کا علم تمھیں کتاب و سنت یا اجماع سے ہوا ہے؟ اگر اس نے اثبات میں جواب دیا تو خود اس نے تقلید کا ابطال کر دیا۔ پھر اس صورت میں اس سے ان دلائل کا مطالبہ کیا جائے گا جن کا اس نے ابھی ادّعا کیا ہے۔ اور اگر وہ پھر وہی جواب دے کہ چونکہ وہ مجھ سے بڑا عالم ہے اس لئے میں نے اس کی پیروی کی، تو اس سے

کہا جائے گا کہ اگر یہی تقلید کا سبب ہے تو ہر اس شخص کی تقلید کرو جو تم سے بڑا عالم ہو۔ اس وقت تمہارے بے شمار امام ہو جائیں گے جن کی پیروی مذکورہ بالا اصول یا علت کی بنا پر تمہارے لئے ضروری ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تمام علماء بھی ہمیشہ متفق الرائے نہیں رہ سکتے۔ ان میں اکثر اختلاف رائے ہوتا رہے گا۔ پھر تم ان میں سے کس کے قول کی تقلید کرو گے اور کیوں؟ اب اگر وہ کہے کہ میں ان میں سے ایک کا اتباع اس وجہ سے کروں گا کہ وہ تمام میں سر برآوردہ اور اعلم الناس ہوگا، تو اس سے کہا جائے گا کہ گویا وہ صحابہؓ سے بھی بڑھ کر صاحبِ علم ہے! اور یہ کس قدر مذموم خیال ہے۔ ہاں اگر وہ یہ کہکر دامن چھڑانا چاہے کہ میں تو صحابہ کرامؓ میں سے ایک کی تقلید کرتا ہوں تو پھر سوال ہوگا کہ دیگر صحابہؓ کے اقوال کو ترک کرنے کی وجہ اور دلیل تمہارے پاس کیا ہے؟ ممکن ہے دوسرے صحابہؓ زیادہ علم و معرفت اور عظمت و فضیلت کے مالک ہوں۔ علاوہ ازیں کسی قول کی صحت و سقم کا دار و مدار تو تمام تر دلائل پر ہے۔ قائل کی شخصیت اور شانِ فضیلت پر نہیں ہے۔ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں کہ آدمی کا ہر قول خواہ وہ کیسا ہی صاحب علم و فضل ہو، اتباع کے لئے نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم مومن کی تعریف یہ کرتا ہے کہ وہ اقوال سُن کر ان میں سے محض حسن قول کی پیروی کرتے ہیں اَلَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ۔

اب اگر وہ اپنے قصور علم اور عدم بصیرت کا عذر کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ ہاں ایسی صورت میں تم بلاشبہ کسی عالم کی تقلید کرنے میں نہ صرف معذور ہو بلکہ تم پر اس وقت تقلید کا التزام ضروری ہے، کیونکہ تمہاری مثال بالکل اندھے کی سی ہے جو خود قبلہ کی سمت نہیں معلوم کر سکتا اور اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی قابل اعتماد آدمی کی رہنمائی قبول کرے اور جس طرف وہ کہے اسی سمت منہ کرکے نماز پڑھے۔ لیکن ایسے مقلد کے لئے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ وہ عالم دین ہونے کا دعویٰ کرے اور دوسروں کو بھی انھیں اقوال کے مطابق فتویٰ دیتا پھرے؟ درانحالیکہ ان کی صحت و سقم کے متعلق خود اُسے کوئی علم نہیں ہے اور وہ اپنی جہالت کا خود معترف ہے اور کم از کم نظریہ کی حد تک یہ بھی مانتا ہے کہ نبی کے سوا ہر شخص خواہ وہ کیسا ہی فاضل اجل ہو کبھی کبھی غلطیاں بھی کرتا ہے۔

دلیل معلوم کئے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں

جب یہ بات طے شدہ ہے کہ عالم غلطی بھی کرتا ہے تو کسی کے لئے جائز نہیں

کہ کسی شخص کے قول کی دلیل کتاب و سنت سے معلوم کئے بغیر اس کے مطابق فتویٰ دے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک خطبے کے دوران میں فرماتے ہیں کہ "افسوس ہے ان حاملینِ علم پر جن کا علم کسی بصیرت پر مبنی نہیں، جن کے قلوب کو شکوک کا ہلکا سا جھونکا مضطرب کر دیتا ہے، جو نہیں جانتے کہ حق کہاں ہے؟ اگر غلطی کرتے ہیں تو نہیں جانتے کہ غلط کہہ رہے ہیں۔ ایسی چیز کو اپنے سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں جس کی حقیقت سے بالکل واقف نہیں۔ یہ ایک فتنہ کی کیفیت ہے۔ سب سے بڑا خیر یہ ہے کہ خدا دین کی معرفت و بصیرت عطا کرے۔ کسی شخص کے جہل کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ اسے اپنے دین کا علم نہ ہو۔"

حضرت سعید ابن جُبیرؓ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:-

"اگر کوئی شخص اندھا بن کر بغیر کسی حجت اور بصیرت کے فتویٰ دیتا ہے تو اس فتویٰ پر عمل کرنے والے کا گناہ مفتی کی گردن پر ہوگا۔"

حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:-

جس شخص نے میرے متعلق ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی تھی، اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہئے اور اگر کسی نے اپنے ساتھی سے مشورہ طلب کیا اور اس نے بغیر سوچے سمجھے مشورہ دے دیا تو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔ اور اگر کسی مفتی نے اطمینان بخش ثبوت حاصل کئے بغیر فتویٰ دیا تو اس کا گناہ عامل کے بجائے مفتی کے سر پر ہوگا۔"

تقلید صرف عوام کے لئے ہے لیکن ان تمام تصریحات سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ حکم عام ہے، اور ہر عالم و جاہل اسی کے ذیل میں آتا ہے۔ یہ حکم محض علماء اور خواص کے لئے ہے۔ عوام کے لئے نہیں، کیونکہ عوام کے لئے واقعات اور معاملات پیش آنے پر علماء کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ان کے لئے تقلید ضروری ہے اس لئے کہ وہ اپنے قصورِ فہم کی وجہ سے دلائل کی معرفت حاصل ہی نہیں کر سکتے۔ بایں سبب اس امر میں تمام علماء کا اجماع ہے کہ عوام پر تقلید فرض ہے۔ اور ارشادِ خداوندی فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

کا روئے سخن نہیں عوام کی طرف ہے جس طرح اس بات میں کسی صاحب علم کو اختلاف نہیں ہے کہ اندھے کو قبلہ معلوم کرنے میں کسی غیر آدمی کی، جس کی آگاہی اور قوت تمیز پر اسے اعتبار ہو، تقلید ضروری ہے، اسی طرح اس امر میں بھی دو رائیں نہیں ہیں کہ ایسے شخص کے لئے جو شریعت کے احکام و اسرار سے قطعاً نابلد ہے ضروری ہے کہ کسی امام کی تقلید کرے اور یہی وجہ ہے کہ عوام کو فتوی دینے کا حق کسی نے نہیں دیا ہے کیونکہ وہ اسرارِ دین اور مصالح شرعیہ سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ البتہ غلطی پر وہ لوگ ہیں جو علمِ دین حاصل کرنے کے بعد بھی تقلید کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ علم دین حاصل کرنے کی غرض تحقیق حق ہے نہ کہ محض اگلوں کے اقوال سے واقف ہو جانا۔ جب ایک شخص اس ذریعہ کو حاصل کر لیتا ہے جس سے حق معلوم کیا جا سکتا ہے، اور پھر بھی وہ اس سے کام لے کر حق کی جستجو نہیں کرتا، اور یہ سمجھتا ہے کہ جستجوئے حق اس کا کام ہی نہیں ہے، تو اس کی غلط کاری و غلط فہمی ظاہر و باہر ہے۔

ترجمانُ القرآن ۔۔۔ جیسا کہ علامؒ نے مضمون کے آخر میں بصراحت فرما دیا ہے، تقلید کی مخالفت سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ علم کے بغیر اجتہاد کرنے لگیں۔ بلکہ مقصد دراصل یہ ہے کہ اول تو ہر مسلمان کو کم از کم اپنے دین سے اس حد تک ضرور واقف ہونا چاہیے کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں تمیز کر سکے اور بالکل آنکھیں بند کر کے اپنا دین دوسروں کے ہاتھ میں نہ دے دے۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کے لیے عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی یہ درست نہیں ہے کہ اپنے اوپر تقلید کو لازم کر لیں۔ یہ دراصل ہمارے نظام تعلیمی کا بنیادی نقص ہے کہ اس میں طالب علم کو تحقیق کے بجائے تقلید کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ وہ اس نظام میں داخل ہی اس مفروضہ کے ساتھ ہوتا ہے کہ تمام مسائل کا قطعی تصفیہ پہلے ہو چکا ہے، اب تحقیق کے لیے کوئی چیز باقی نہیں رہی، اور اس کا کام فقط یہ ہے کہ اپنے ائمہ کے اقوال سے واقف ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تحقیق کے ذرائع فراہم ہو جانے پر بھی وہ مقلد ہی رہتا ہے تحقیق و اجتہاد کا رجحان ابتداہی میں فنا کر دیا جاتا ہے اور اس میں آخر وقت تک یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی کہ خود کسی مسئلے میں رائے قائم کر سکے ایسے نظامِ تعلیم سے کس خیر کی توقع کی جا سکتی ہے؟ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے وسائل تو فراہم کر دیے جاتے ہیں مگر دل میں یہ بات بٹھا دی جاتی ہے کہ ان سے تمہیں کام کچھ نہیں لینا ہے۔ اس سے بڑھ کر ناقص تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے۔